بحث ونظر

بیعتِ عقبہ ثانیہ اور حضرت عباسؓ

جناب طالب ہاشمی صاحب

ترجمان القرآن کے شمارہ اگست ۱۹۸۶ء میں ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب کا ایک مقالہ عنوانِ بالا پر شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بیعتِ عقبہ ثانیہ (جو فی الحقیقت بیعتِ عقبہ ثالثہ ہے اور جسے بیعتِ عقبہ کبیرہ اور لیلۃ العقبہ بھی کہا جاتا ہے) کے موقع پر حضرت عباسؓ کی موجودگی والی مشہور روایت موضوع ہے۔ فاضل مقالہ نگار اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں شعبۂ علومِ اسلامیہ کے اُستاد ہیں، لیکن اس مقالے میں انہوں نے تحقیق کا جو انداز پیش کیا ہے وہ نرالا بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ بالفاظِ دیگر یہ مقالہ ان کے بلند منصب کے تقاضوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اُنہوں نے اپنے استدلال کی بنیاد قیاس آرائی کے پائے چوبیں پر رکھی ہے۔ حالانکہ کسی روایت کو رَدّ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور جن واسطوں سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے، ان میں سے کسی واسطے کو ناقابلِ اعتماد ثابت کیا جائے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر صاحب نے محض قیاسات اور مفروضات کا سہارا لیا ہے۔ اگر وہ روایات کی چھان پھٹک کا معروف طریقہ اختیار کرتے جو اہلِ علم میں مقبول و متداول ہے تو اُن کی باتوں میں یقیناً وزن محسوس کیا جاتا۔ اب اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ جس سطح پر ڈاکٹر صاحب نے دادِ تحقیق دی ہے، اسی سطح پر اس کا جواب دیا جائے۔

جہاں تک اس بیعت کے موقع پر حضرت عباسؓ کی موجودگی کا تعلق ہے تو قدیم اور جدید

تمام سیرت نگاروں نے اس کو تسلیم کیا ہے اور قریب قریب تمام اربابِ سِیَر و تاریخ نے یہ واقعہ تواتر کے ساتھ بیان کیا ہے (ابن اسحاقؒ، ابن ہشامؒ، واقدیؒ، طبریؒ، ابن سعدؒ، احمد بن حنبلؒ، بیہقیؒ، شعبیؒ، طبرانیؒ، حاکمؒ، بزارؒ، ابن قیمؒ، ابن خلدونؒ، ابن کثیرؒ وغیرہم سب اس پر متفق ہیں)۔ ان سب کو جھٹلانے کے لیے قوی دلائل کی ضرورت ہے جو ڈاکٹر صاحب کے مقالے میں مفقود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے موقف کی تائید میں کم از کم ایک ہی روایت پیش کر دیتے تو پھر بھی کوئی بات تھی۔

اب رہی حضرت عباسؓ کی تقریر ___ تو ڈاکٹر صاحب نے اس کی آڑ لے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عباسؓ سرے سے وہاں موجود ہی نہیں تھے ___ انہوں نے حضرت عباسؓ کے اِن الفاظ کو خلافِ حقیقت ٹھیرایا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں اور ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے ہیں"۔ اور ان الفاظ کو خلاف مصلحت کہ "اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں"۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے اس موقف کے دونوں حصّوں کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔

سب سے بڑی دلیل ڈاکٹر صاحب نے اپنے موقف کے پہلے حصّے کے حق میں یہ دی ہے کہ حضورؐ کو مجبور ہو کر طائف جانا پڑا تھا۔ کیونکہ قریش نے آپؐ کو مکّہ سے نکال دیا تھا۔ اسی لیے حضرت زیدؓ بن حارثہ نے واپسی کے سفر میں آپؐ سے کہا تھا کہ "آپؐ مکّہ میں کیسے داخل ہوں گے جب کہ قریش آپؐ کو نکال چکے ہیں"۔ دوسرے یہ کہ آپؐ مطعم بن عدی کی پناہ حاصل کر کے مکّہ میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ باتیں اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ "حضورؐ اپنے خاندان میں معزز و محترم نہیں تھے اور بنو ہاشم ہمیشہ آپؐ کے سینہ سپر نہیں رہے تھے ___ یا یہ کہ اُن کی حمایت سے دست کش ہو چکے تھے"۔

مناسب ہوتا کہ اس سلسلے میں فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل حقائق کو بھی پیش نظر رکھتے:

ا ___ موسیٰ بن عقبہ اور ابنِ اسحاق سرے سے اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ سفرِ طائف میں آپؐ کے ساتھ تھے۔ اُن کا کہنا ہے کہ آپؐ تنہا طائف تشریف لے گئے تھے۔

۲ — ابن سعدؒ، ابن قتیبہؒ اور بلاذریؒ کے بیان کے مطابق حضورؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے تھے۔ (گویا حضرت زیدؓ کے حضورؐ کے ساتھ جانے میں اختلاف ہے)۔

۳ — حدیث، تاریخ اور سیرت کا تمام ذخیرہ کھنگال ڈالیے آپ کو ایک روایت بھی ایسی نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مشرکینِ قریش نے حضورؐ کو بجبر مکہ سے نکال دیا تھا یا آپؐ ہجرت کے ارادے سے طائف تشریف لے گئے تھے۔ یہاں ان بہت سی روایتوں کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ اہلِ حق کا مکہ سے نکلنا (ہجرت کرنا) مشرکین کی مصلحتوں کے خلاف تھا۔ کیوں؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کے وقت مشرکین نے جس طرح مسلمانوں کی مزاحمت کی اس کو اہلِ سیر نے تواتر کے ساتھ بیان کیا ہے گویا مشرکین مسلمانوں کو مکہ سے نکلنے سے روکتے تھے نہ کہ ان کو زبردستی نکالتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لیے جو تدبیریں کیں وہ تاریخ کا ایک ناقابلِ تردید حصہ ہیں۔

۴ — واپسی کے سفر میں حضرت زیدؓ بن حارثہ سے جو بات منسوب کی گئی ہے وہ صرف واقدی کا بیان ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضورؐ اور حضرت زیدؓ کے سوا کوئی تیسرا شخص اس موقع پر موجود نہیں تھا تو پھر قطعی طور پر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے یہ بات حضورؐ سے کہی جب کہ کوئی مستند حدیث بھی اس کی تائید میں موجود نہیں۔ کیا یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ راوی نے کسی غلط فہمی یا اپنے قیاس کی بنا پر یہ الفاظ حضرت زیدؓ سے منسوب کر دیئے۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی حضرت زیدؓ نے یہ بات حضورؐ کی خدمت میں عرض کی تو کیا اصطلاحی طور پر اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ "قریشِ مکہ آپؐ کی دعوت کو رَد کر چکے ہیں، وہ آپؐ کی دشمنی میں بہت جری ہو گئے ہیں اور اب جب کہ اہلِ طائف نے بھی آپؐ کی دعوت قبول نہیں کی تو مکہ میں آپؐ دعوتِ حق کو کیسے جاری رکھ سکیں گے"۔

۵ — یہ بات (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے) کسی روایت میں نہیں ہے کہ:

"آپؐ نے معززینِ طائف سے کہا تھا کہ اہلِ مکہ کو میرے اس مشن کے

بارے میں نہ بتانا......."

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ نے صرف عمرو بن عمیر ثقفی کے بیٹوں مسعود، حبیب اور عبدیالیل سے اتنی بات کہی تھی کہ "میری بات کو مخفی رکھو" (یعنی جو باتیں میرے اور تمہارے درمیان ہوئی ہیں ان کو پردۂ اخفا میں رکھو)۔ یہ بات آپؐ نے اس لیے فرمائی کہ آپ طائف پہنچ کر سب سے پہلے ان تینوں سے ملے اور ابھی آپؐ کو طائف کے دوسرے صاحب اثر لوگوں سے ملنا تھا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ یہ تینوں "تخلیہ کی اس گفتگو" کو اپنے تک ہی رکھیں تاکہ دوسرے لوگوں تک بھی آپؐ اپنا پیغام پہنچا سکیں (اور ان تینوں کے منفی ردّعمل کا دوسروں پر اثر نہ پڑے)۔ ان لوگوں سے اتنی سی شرافت برتنے کی توقع آپؐ کو شاید اس لیے بھی تھی کہ حضورؐ کی والدہ کے خاندان "بنوزُہرہ" سے بنوثقیف کے خاندان "بنوعبدِیالیل" کے ساتھ رشتہ داری تھی اور بنوعبدیالیل کو حضورؐ کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں نے عرب کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آپؐ سے غیر شریفانہ برتاؤ کیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ چاہتے ہوں کہ اہلِ مکہ کو اہلِ طائف کے ردِّعمل کا فوری طور پر پتہ نہ چلے۔ لیکن یہ قیاس کرنا صحیح نہیں کہ آپؐ کے نزدیک آپ کا دورہ طائف زیادہ عرصے کے لیے اہل مکہ سے مخفی رہ سکتا تھا۔ قریش اور بنوثقیف کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں۔ خود آپ کی ایک بھتیجی (ابولہب کی بیٹی) طائف میں بیاہی گئی تھی۔ رؤسائے قریش کی طائف میں قیمتی جائدادیں تھیں۔ قریش کے دو رئیس عتبہ اور شیبہ حضورؐ کے دورۂ طائف کے موقع پر طائف میں موجود تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی اور کئی دوسرے ثقفی حضرات کا آئے دن مکہ میں آنا جانا رہتا تھا۔ طائف مکہ کا توام شہر تھا اور آپ کا وہاں تشریف لے جانا آپؐ کی حکمتِ تبلیغ کا ایک حصہ تھا۔ یہ نہیں کہ آپ وہاں ہجرت کے ارادے سے گئے ہوں یا آپ کو اہلِ مکہ نے بزور مکہ سے نکال دیا تھا۔

اب رہا پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہونا تو اس کا مطلب (بنوہاشم اور بنومطّلب کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے کی) حمایت حاصل کرنا تھا۔ ورنہ حقیقی معنوں میں حضورؐ ہمیشہ اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ مطعم بن عدی کی حمایت حاصل کرنے کا مطلب یہ کیسے لیا جاسکتا ہے کہ بنوہاشم اور بنومطلب آپؐ کی حمایت سے دست کش ہوچکے تھے اور مکہ میں کوئی آپؐ کا یار و مددگار نہیں تھا۔

"دست کشی" اور "دوسروں کے مقابلے میں مادی کمزوری" میں بڑا فرق ہے۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مسلمان آپؐ کی حمایت سے دست کش ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مومنین بلکہ دوسرے خاندانوں (بنو تیم، بنو عدی، بنو امیہ، بنو زہرہ، بنو عبدالدار، بنو سہم، بنو جمح، بنو اسد، بنو مخزوم، بنو عامر بن لؤی، بنو فہر بن مالک وغیرہ) کے مومنین بھی آپؐ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار تھے (اور اپنے ان جان نثاروں کو کفار کے رحم و کرم پر چھوڑ کر آپؐ نے مکہ سے ہجرت کر جانے کا کبھی تصور بھی نہیں کیا)۔ یہ الگ بات ہے کہ عددی اور مادی قوت کے لحاظ سے مشرکینِ مکہ کا پلّہ بھاری تھا۔ کیا مطعم بن عدی کی حمایت حاصل کرنے سے حضورؐ کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا تھا کہ مشرکین کے اتحاد میں رخنہ ڈالا جائے اور ان کے دندانِ ظلم کو کند کیا جائے ـــــ اور یہ حمایت بھی حضورؐ کس لیے حاصل کرنا چاہتے تھے، اس لیے کہ "میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں" (ابن اسحاق)۔ کیا حضورؐ نے یہ حمایت حاصل کرنے کی خاطر مطعم کی کوئی شرط مانی تھی؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی شرط پر حمایت حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب ابوطالب دس برس تک حضورؐ کا دفاع کرتے رہے لیکن اس کے ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد بنو ہاشم حضورؐ کی حمایت سے یکسر دست کش ہو گئے، سوائے ان چند دنوں کے جن میں ابولہب نے آپؐ کی حمایت کی۔ کیا مناسب نہ ہوگا کہ یہاں ابن سعد اور بعض دوسرے اہلِ سیر کی ان روایتوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جناب ابوطالب نے مرتے وقت سردارانِ قریش کو وصیت کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا اور اپنی اولاد کو بطور خاص وصیت کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرنا۔ کیا جناب ابوطالب کی اولاد ایسی ہی گئی گزری تھی کہ اس نے اپنے باپ کی وصیت کو فراموش کر دیا اور حضورؐ کی حمایت سے دست کش ہو گئی۔ بالخصوص نوجوان علیؓ کے بارے میں ایسا گمان کرنا ظالمانہ جسارت ہے۔ اسی طرح حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے بارے میں بھی اس قسم کی بات نہیں کہی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب ابوطالب کی زندگی میں بھی مشرکین نے حضورؐ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہاں تک کہ

آپؐ کو شہید کرنے کا ارادہ بھی کیا۔ لیکن جناب ابوطالب نے جوانانِ بنوہاشم و بنو مُطّلب کی مدد سے آپؐ کی حفاظت کی۔ آخر شعب ابی طالب کی محصوری کا زہرہ گداز واقعہ بھی تو جناب ابی طالب کی زندگی ہی میں پیش آیا ۔۔۔ ہمارے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں ابوطالب زندہ تھے اور بنوہاشم حضورؐ کی پوری طرح حمایت کر رہے تھے۔ (بقول ڈاکٹر صاحب آپؐ کی حمایت سے "دست کش" نہیں ہوئے تھے)، اُس وقت بھی وہ مشرکین قریش کو آپؐ پر زیادتیاں کرنے سے کلیتہً نہیں روک سکے تھے۔ جناب ابوطالب کی وفات کے بعد اگر ابولہب حضورؐ کی حمایت جاری بھی رکھتا تو کیا مشرکین اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے اور حالات میں کوئی تبدیلی آجاتی؟ ہرگز نہیں! ہمارے نزدیک تو ابولہب کی حمایت والی روایت اِس لحاظ سے مشکوک ہے کہ یہ وہی بدباطن شخص تھا جس نے حضورؐ کی بچیوں کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلوائی، آپؐ کے صاحبزادے کی وفات پر مسرّت کا اظہار کیا۔ جس کی بیوی آپؐ کے دروازے پر کانٹے بچھایا کرتی تھی، جس نے دعوتِ حق کو روکنے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں۔ اور جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نام لے کر کی۔ وہ حضورؐ کی حمایت پر کیسے آمادہ ہو سکتا تھا۔ اور آپؐ سے کیسے کہہ سکتا تھا کہ آپؐ اپنا کام جاری رکھیں ۔۔۔ قرآن کریم کی نصِ صریح کے ہوتے ہوئے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ اس کے نہاں خانۂ دل میں کبھی روشنی کی کرن پھوٹی ہو۔۔ اور پھر حمایت سے اس کی دست کشی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے جناب عبدالمطلب کو دوزخی کہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب حضورؐ کے دادا بھی تھے اور محسن بھی۔ جب وہ فوت ہوئے تو حضورؐ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ آپؐ اُن کے سرہانے کھڑے ہو کر رونے لگے۔ (آپؐ کا سن اُس وقت آٹھ برس کا تھا) حضورؐ اپنے محسنوں کے بارے میں یہ طرزِ کلام اختیار نہیں فرماتے تھے، بلکہ ان کا ذکر بھلائی سے کیا کرتے تھے۔ مطعم بن عدی ہی کو لیجیے۔ اس کی حمایت کا احسان حضورؐ نے ہمیشہ یاد رکھا (حالانکہ وہ حالتِ کفر میں مرا تھا)۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے متعلق بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیتا۔ (صحیح بخاری، مسند احمد، مسند ابوداؤد)۔

اس قسم کی کئی اور مثالیں بھی ملتی ہیں ـــــ اور پھر جناب عبدالمطلب کے متعلق ایسی روایتیں بھی موجود ہیں کہ وہ موحد تھے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ابرہہ کے حملے کے وقت آپ کا طرزِ عمل تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے "مسالک الحنفاء" میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ حضورؐ کے اجداد میں نضر، خزیمہ، الیاس، مضر، ربیعہ، معد اور عدنان سب موحد تھے اور دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ علامہ محمود شکری بغدادی نے کتاب "بلوغ الارب فی احوال العرب" (جلد دوم) میں کعب، قصیٰ، عبدمناف، ہاشم اور جناب عبدالمطلب کو بھی زمرۂ موحدین میں داخل کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سب دینِ ابراہیم پر کاربند تھے (یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں کے دو بڑے مکاتبِ فکر حضورؐ کے اجداد کو موحد مانتے ہیں۔ اور اپنے موقف کے حق میں دلائل بھی رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک الگ بحث ہے)۔ کیا اس سلسلے کی تمام روایتوں کو سامنے رکھ کر اس بات کی گنجائش نہیں کہ جناب عبدالمطلب کو حنفاء میں شمار کیا جائے؟ اور حنفاء کے بارے میں حضورؐ کا مسلک یہ تھا کہ جب آپؐ سے مشہور حنفی زید بن عمرو بن نُفَیل کے بارے میں اُن کے صاحبزادے حضرت سعیدؓ بن زید نے پوچھا کہ میرے والد اسلام سے پہلے فوت ہوئے کیا ہم اُن کے لیے دُعائے مغفرت کر سکتے ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا "ہاں ـــ زید تنہا ایک اُمت کی حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے"۔

کیا خوب ہوتا اگر ڈاکٹر صاحب اس روایت کی چھان پھٹک کرتے۔ اور اس کی سندی حیثیت کا جائزہ لیتے ـــــ اس کے بجائے انہوں نے اسے اپنی تائید میں پیش کر دیا۔ اگر اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ابولہب اور اس کے زیرِ اثر چند غیر مسلم ہاشمی حضورؐ کی حمایت سے دست کش ہو گئے۔ یہ نہیں کہ باقی سارے بنو ہاشم بالخصوص ہاشمی مسلمانوں نے بھی حضورؐ کی حمایت ترک کر دی۔ یہ کہنا بالکل خلافِ حقیقت اور محض ایک مفروضہ ہے کہ ابولہب کی آپؐ کی حمایت سے دست کشی آپؐ کے سفرِ طائف کا باعث ہوئی۔ حضورؐ نہ سفرِ طائف سے پہلے کبھی اس کی مخالفت کو خاطر میں لاتے تھے اور نہ بعد میں کبھی اس کی پروا کی۔ یہی سبب تھا کہ وہ آپؐ کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ ہجرت سے پہلے حضورؐ کو شہید کرنے کے لیے جو لوگ نامزد کیے گئے تھے، ان میں ایک ابولہب

بھی تھا۔ یہ بھی محض ایک مفروضہ ہے کہ تمام بنوہاشم نے اس کو اپنا سربراہ اور سردار تسلیم کرلیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ" واقعہ طائف کے بعد سفرِ ہجرت تک ہمیں کوئی شہادت ایسی نہیں ملتی کہ مطعم بن عدی نے اپنی دی ہوئی امان کو واپس لے لیا ہو اور آنحضرتؐ کو دوبارہ کسی ہاشمی یا کسی اور مکی سردار کے پاس پناہ کی تلاش میں جانا پڑا ہو"۔

ہم ڈاکٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی شہادت بھی ملتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ سفرِ طائف کے بعد مکہ کے اشرار نے حضورؐ کو ستانا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برعکس ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ مکی دور کے آخری تین سالوں میں جب حضورؐ مختلف قبائل کے پاس دعوتِ توحید دینے تشریف لے جاتے تو ابوجہل، ابولہب اور دوسرے اشرار آپؐ کے پیچھے لگے رہتے۔ قبائل کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتے اور آپؐ پر خاک اور پتھر پھینکتے۔ یہاں تک کہ انھوں نے دارالندوہ میں جمع ہوکر آپؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی مجلس میں جب کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے بزور نکال دیا جائے، تو اس تجویز کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ شخص یہاں سے نکل گیا تو عرب کے مختلف قبیلوں کو اپنی جادو بیانی سے اپنا حامی بنا لے گا۔ ان شہادتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مطعم بن عدی کی پناہ اور حمایت عملاً ختم ہوچکی تھی۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی نظر ان تمام شہادتوں پر کیوں نہ پڑی۔

اگر حضرت عباسؓ نے یہ کہا کہ" محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں اور ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے"، تو غلط نہیں کہا، خود جناب ابوطالب نے آپؐ کے معزز و محترم ہونے کا اعتراف اپنی وصیت میں کیا تھا۔ اور بقول ابن سعد اپنی اولاد سے کہا تھا کہ تم ہمیشہ بخیر رہو گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سنتے رہو گے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے رہو گے اور بقول قسطلانی اور زرقانی سردارانِ قریش سے کہا تھا:

"...... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش میں امین اور تمام عرب میں صادق ترین آدمی ہے اور وہ ان تمام خوبیوں کا جامع ہے جو میں نے تم سے بیان کی ہیں......"

ابوطالب کی وفات کے بعد کیا حضورؐ کے کردار میں نعوذ باللہ کوئی تبدیلی آگئی تھی کہ آپؐ بنوہاشم (اور بنومطلب) کے نزدیک معزز و محترم نہیں رہے تھے اور وہ آپ کی حمایت سے

دست کش ہو گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرکین قریش آپؐ کے دشمن اور آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ اُن کا بس چلتا تو وہ آپؐ کو شہید کر [illegible] آپؐ کے دوسرے جان نثاروں کی حمایت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہوئے اور آپؐ کی جان سلامت رہی۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے موقف کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کا اپنی تقریر میں یہ کہنا کہ "اب وہ (حضورؐ) تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں" خلافِ مصلحت تھا۔ ہماری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ حضرت عباسؓ کا یہ کہنا خلافِ مصلحت کیسے ہو گیا، جب کہ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ مکی دور کے آخری تین سالوں میں جب حضورؐ مختلف قبائل کے پاس تبلیغِ حق کے لیے تشریف لے جاتے تو کھلے الفاظ میں ان سے فرماتے:

> "قریش نے مجھے اللہ کا پیغام پہنچانے سے روک دیا ہے۔ تم تبلیغِ حق کے کام میں میری مدد کرو۔ مجھے اپنے ہاں پناہ دو (مجھے اپنے علاقے میں لے چلو)، اور میری حمایت کرو تاکہ میں اپنے رب کے پیغام کی اشاعت کروں"۔

یہی بات آپؐ اوس و خزرج (اہلِ مدینہ) کے سامنے بھی ارشاد فرما چکے تھے۔ کیا حضرت عباسؓ کوئی سودے بازی (بقول ڈاکٹر صاحب معاملات کا لین دین) کر رہے تھے جو نبوی مصلحتوں سے ہٹ کر کوئی بات نہ کرتے؟ فی الحقیقت حضرت عباسؓ کی یہ تقریر سراسر حضورؐ کی خیر خواہی پر مبنی تھی۔ وہ اپنے طور پر انصار سے یہ یقین دلانی چاہتے تھے کہ وہ کسی وقت مدینہ میں مشکلات سے گھبرا کر حضورؐ کو تنہا نہیں چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ آپ کی حمایت کا مطلب یہ تھا کہ سارا عرب ان (اہلِ مدینہ) کا مخالف ہو جاتا اور ان کو بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑے، اس وقت حضورؐ کو تنہا چھوڑ دینے سے بہتر تھا کہ وہ آپؐ کو مکہ ہی میں رہنے دیں۔ یہاں بہر حال آپؐ کے ایسے جان نثار موجود ہیں جو آپؐ کی خاطر سب کچھ قربان کر دیتے۔

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں گزشتہ اڑھائی سال سے اسلام حیرت انگیز تیزی سے پھیلا تھا۔ اور چند گھروں کے سوا سب اوس و خزرج مسلمان ہو چکے تھے۔ اب مدینہ کو مرکزِ اسلام

بنانے کے لیے میدان ہموار ہو چکا تھا۔ مکہ آنے سے پہلے انصارِ مدینہ یہ طے کر کے چلے تھے کہ حضورؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دیں۔ (مسندِ احمد، طبری، طبرانی وغیرہ)۔ انصار کو مکہ میں آنحضرتؐ اور آپؐ کے جاں نثاروں کی مشکلات کا بخوبی علم تھا۔ اور کوئی بات ان سے مخفی نہ تھی (مسند احمد، طبرانی اور کئی دوسری کتابوں میں یہ تفصیل موجود ہے)۔ حضرت عباسؓ اپنی کسی بات سے انصار کو مغالطے میں نہیں ڈال سکتے تھے اور نہ ان کا یہ مقصد تھا۔ اس لیے یہ کہنا کہ انہوں نے "انصار کے مقابلے میں حضورؐ کی پوزیشن کو کمزور کر دیا" انتہائی مضحکہ خیز اور طفلانہ بات ہے۔ علامہ ابن خلدونؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انصار نے حضورؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دینے سے پہلے مشرکینِ مکہ کے پاس ایک وفد بھیجا تھا، جس کے ہاتھ بنو مُرّہ بن مالک کے مشہور شاعر ابوقیس بن الصلت سے ایک طویل قصیدہ لکھوا کر روانہ کیا تھا اور ساتھ ہی ایک خط بھی بھیجا تھا۔ اس خط اور قصیدے میں قریش سے کہا گیا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و احترام ملحوظ رکھیں اور آپؐ کو ستانا چھوڑ دیں۔ (اس قصیدے کے ۳۵ اشعار تھے اور ابن اسحاقؒ نے اس کو کتاب السیر میں حرف بحرف نقل کیا ہے) لیکن قریش نے اس وفد کی بات نہ مانی۔ مختصر یہ کہ اہلِ مدینہ مکہ کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے اپنی تمام کارروائی کو خفیہ رکھا۔ مکہ آکر ان کے چند آدمیوں نے حضورؐ سے تخلیہ میں ملاقات کی۔ اس وقت آپؐ حضرت عباسؓ کے پاس تشریف فرما تھے۔ وہیں طے پایا کہ رات کے وقت عقبہ کی گھاٹی میں رازداری کے ساتھ مسلمانانِ مدینہ سے ملاقات ہوگی۔ (طبریؒ، ابن ہشامؒ، احمد بن حنبلؒ، طبرانی وغیرہ)

یہ سوال کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کو چھوڑ کر حضرت عباسؓ کو ساتھ کیوں لے گئے؟ تو اس کی مصلحت اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے تھے۔ ایسی موشگافیاں کہ حضورؐ نے یہ کیوں کیا اور وہ کیوں کیا؟ بہت ہی ناخوشگوار مباحث کو جنم دے سکتی ہیں۔ اللہ کے رسولؐ کے کسی عمل کو اپنی سوچ کے پیمانے سے ماپنا بالکل غلط طریقِ کار ہے۔ یہ کیا دلیل ہوئی کہ حضورؐ فلاں فلاں جاں نثار کو ساتھ نہیں لے گئے اس لیے آپؐ کا حضرت عباسؓ کو ساتھ لے جانا بھی محلِ نظر ہے اور

یہ روایت عباسی حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے سبحان اللہ ویسے یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضورؐ حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت علیؓ کو بھی ساتھ لے گئے تھے اور ان کو عقبہ کی گھاٹی کے دونوں سروں پہ کھڑا کر دیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ لکھنا کہ "حضرت عباسؓ نے (یہ کہہ کر) انصار کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پناہ دینے کے عوض ان سے من مانی شرائط منوا سکیں" ایک ایسی عبارت ہے جس کی کسی صاحب نظر آدمی سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ تو "کجا می نمائی و کجا می زنی" کے مترادف ہے۔

انصار نے حضورؐ کو رسولِ برحق تسلیم کیا، آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کے دستِ مبارک پہ مرنے جینے کی بیعت کی اور بدیں الفاظ آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت اور نصرت کریں گے۔ گویا تمام خطرات کے علی الرغم اور سارے عرب کے ردّعمل سے بے نیاز ہو کر حضورؐ کو اپنے آقا و مولا، مخدوم و مطاع اور سردار کی حیثیت سے مدینہ آنے کی دعوت دی نہ کہ پناہ گزین کی حیثیت سے۔ من مانی شرائط منوانے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ کیا انصار مدینہ نعوذ باللہ اتنے دنیا پرست اور گھٹیا کردار کے مالک تھے کہ وہ اپنے ہادی اور خدا کے سچے رسولؐ سے من مانی شرائط منواتے۔ ان کی تو صرف ایک تمنا تھی کہ حضورؐ ان سے کبھی جدا نہ ہوں تنگی میں بھی اور فراخی میں بھی۔ کیا حضرت عباسؓ انصار سے یہ کہتے کہ "آنحضرتؐ تمہارے پاس نہیں جانا چاہتے"۔ حالانکہ حضورؐ ان کے پاس جانا چاہتے تھے اور خود ان سے فرما چکے تھے کہ تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں میری مدد کرو، حمایت کرو اور اپنے علاقے (شہر) میں مجھے لے چلو۔

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے معاملے میں لین دین، سودے بازی اور منافقانہ سیاست بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہر چیز کو مادی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا مغربی دانشوروں کا شیوہ تو ہو سکتا ہے ایک اسلامی دانش گاہ کے کسی استاد کا شیوہ نہیں ہونا چاہیے۔ دانشورانِ مغرب کو کیا خبر کہ اخلاص ایثار، عقیدت، محبت، اطاعت اور سوز دروں کی کیا قدر و قیمت ہوتی ہے، لیکن مفکر ہونے کا دعویٰ کرنے والے ایک مسلمان کو تو ان چیزوں سے بے خبر

نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہ شتر گربگی نہیں ہے کہ آپ نے اپنی سوچ کے مطابق ایک خاص نظریہ قائم کر لیا اور پھر ایک سیرت نگار کی وہ روایت تو اپنی تائید میں پیش کر دی جو آپ کی سوچ کے سانچے میں پوری بیٹھتی ہے، لیکن اسی سیرت نگار کی وہ روایت موضوع قرار دے کر رد کر دی جو آپ کے خود ساختہ نظریے کے مطابق نہیں ہے۔ یہ تحقیق نہیں بلکہ لوگوں کو فکری انتشار میں مبتلا کرنا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے بعض اساتذہ نے اسی مشن کو اپنا لیا ہے۔ اس سے پہلے اسی یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر صاحب نے

"THE DEVELOPMENT OF MILITARY INTELLIGENCE IN THE CAREER OF THE PROPHET AT MEDINA."

کے موضوع پر مقالہ لکھ کر اپنی تحقیقِ انیق کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ دشمنانِ اسلام کو تو خوش کر سکتا ہے اور ایک برطانوی یونیورسٹی سے ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی دلا سکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک کوئی ایسا شخص جو اسلام کی اخلاقی اقدار پر پورا ایمان رکھتا ہو، کبھی ایسا مقالہ لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کاش اسلامیہ یونیورسٹی کے یہ استاد اپنی صلاحیتوں کو تعمیری علمی کاموں پر صرف کرتے۔

ترجمان القرآن کے اوراق میں ڈاکٹر محمد سلیمان کے مضمون (بیعتِ عقبۂ ثانیہ اور حضرت عباسؓ) کی اشاعت پر ہمیں اس لیے بہت افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے کیے ہوئے کاموں پر پہلے سے ہی گستاخیِ جناب رسالتمآبؐ کا الزام تھا جس کا ہمیں علم نہیں تھا۔ شخصیت کو پہلے سے جانے بغیر ہم نے اس خیال سے ایک قابلِ بحث امر کو شائع کر دیا کہ اس کا مدلل جواب سامنے آنے سے ڈاکٹر صاحب کا فکری مقام زیادہ اچھی طرح سامنے آجائے گا۔ چنانچہ ہمارے معزز دوست طالب الہاشمی صاحب نے بہت کم وقت میں اپنی وسعتِ مطالعہ کی بنا پر جوابی مقالہ لکھ دیا۔ امید ہے کہ اس مقالے کے ذریعے ہماری پچھلی کوتاہی کی تلافی ہو جائے گی۔

حالات کو جاننے کے بعد ہم بھی ایسے شخص کے بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی سے برطرفی کے علاوہ یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ گستاخیِ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مدلل الزام کے زیر اثر مقدمہ بھی چلایا جانا چاہیے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ہاے پوتا نے آواز اٹھائی ہے۔ (مدیر)